⊙ ڈاکٹر عمران ازفر
لیکچرار، شعبہ اردو و مشرقی زبانیں، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

مابعد جدید فکریات اور تیسری دنیا کا انسان
﴿مشل فوکو کا تناظر﴾

Abstract:

From last more than hundred Year's mankind has been rechecked his thoughts and beliefs regarding Society, Culture, Wisdom and Civilization. In this particular period he make his voice more louder and clear.The independence for common man and equal Civic or Rural system.So this world can be safe and secure place for living with his belongings and believes.In this regard French Philosopher Michel Foucault has his own point of view. Which regects the centre of Power's.He inforce that every myth or believe has his own epistemology, which is created in some relevant Discourse or Power System.He also depicted that third world countries and their personal should avial good life with basic elements. Our article discusses the socio political intellectual thought of Michel Foucault.Article based on qualitative research methodology so results can be derived in simple but effective maner.

Keywords:

Philosophy, History, Power, Theory, Conventional, Discourse, Bio Power, Modernism, Structuralism, Capitalism, New American Theory, Third World, Imperialism, Collective Wisdom, Code, Epistemology

بیسویں صدی نے دوسری جنگ عظیم کے ہولناک انجام کے پس منظر سے متاثر ہو کر، ایک طرف کلاسیکی روایت اور اجتماعیت کے تمام تصورات کی تردید کی تو دوسری طرف اپنے فکر و خیال کو انسان کی ظاہری صورت تک محدود کر دیا۔ بیسویں صدی کا مغربی انسان پے در پے ہوتے جنگی واقعات اور انسانی جاں سوزی کے خوفناک تسلسل کے سبب سے ماضی

اور مستقبل سے لاتعلقی پر مصر ہے یہی سبب ہے کہ وہ اجتماعیت کے رائج ثقافتی تصور کا انکاری ہے۔اُسے جوہر پر انسانی وجود مقدم دکھائی دیتا ہے۔کہ اُس نے انسانی وجود کی بے توقیری کے لامحدود منظر کا تجربہ/مشاہدہ کیا ہے۔وہ فطرت اور انسان کے باہمی تعلق کے بارے میں بھی کلاسیکی تصورات کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔اس پیچیدہ سماجی صورت کے پیچھے سائنسی استدلال اور ڈارون کی نگاہ سے انسانی ارتقاء کی نئی صورتحال بارے آگاہی ہے جو بذات خود مہذب انسان کی کئی صدیوں پر محیط "تہذیب وشرفیت" پر اجارے کی نفی کرتی ہے۔مارکس اور اس کے ہمنوا معاشی مساوات کے حامی ہیں۔چمنی سے نکلتے دھوئیں کے مالک کو اپنی سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع اور بقاء کے لئے ہر ممکن مرحلے سے گذرنا ہے کہ اس کے لیے انسان پیسہ بنانے کے عمل میں مددگار ہونے کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔اس نئے ماحول میں پیدا کار کا تعلق مغرب کے ساتھ جبکہ صارفی منڈی مشرقی ممالک ہیں۔جن کے زور بازو سے جدید مغرب کی تشکیل کا کام مکمل ہونے کے بعد، ان "بے وقعت" مزدوروں سے چھٹکارے کے لیے یا ان کی روز بروز بڑھتی مانگ کے بل پر، اضافہ پاتی قوت کے توڑ کے لیے سائنسی آلات، روبوٹ مشینیں اور بے شمار ایسے کل ہرزے بنائے گئے جو انسانی جسم کی حرکیات کا متبادل بن سکیں چونکہ ان کی موجد مغرب تھا تو اس نے مشرقی معاشروں اور افراد ہر دو کو ان نئے تصورات اور تجربات سے دور رکھا۔اسی نئی صنعتی زندگی میں سائنسی استدلال، شئے اور جوہر سے آگے بڑھتا ہوا انسان کلام اور اس کی مختلف جہات پر نئے زاویہ فکر وضع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔جس کے نتیجے میں مشرق سائنسی ایجاد سے لے کر فلسفیانہ افکار تک مغربی دنیا سے صدیوں پیچھے دھکیل دیا گیا اور اس خطے کے مکین تیسری دنیا کے انسان کہلائے۔مشین کی خودمختاری بڑھتے ہوئے، سائنسی علم، انسانی گفت گو اور اس کے سائنسی تفاعل بارے سوچ بچار کرنے لگا۔جس کا ثمر جدید افکار کے ساتھ لسانیات کی صورت میں آج دنیا کے سامنے ہے۔تجربی صداقت پر بنیاد لسانیاتی تعاملات کے نتائج نے ساخت اور معنی کے کئی نئے در وا کیے۔لسانیات کے جدید تجربی صداقت پر مبنی علمی ڈسکورس نے لفظ اور معنی کے اتصال سے بیانیہ کے ظاہری اور پوشیدہ عوامل پر اعتماد قائم کرنے کے ساتھ، دریدا کے لاموجود پر انحصار سے اپنی ساخت میں نئی دنیا آباد کی ہے۔ان نئی علمی اور فکری جہات کا تجزیہ وتفہیم ادبی متون کے تناظر میں ناگزیر ہے۔آئندہ کا زمانہ تخلیق کے سائنسی تجزیات اور تجربی صداقت سے حسیات کی تعین قدر پر توجہ مرکوز کرے گا۔یہ بات محل نظر رہے کہ بیسویں صدی کے نظریات کی طرف سے روایت اور اجتماعیت کی نفی کے باوجود علم اپنی اساس میں روائیتی پس منظر اور اجتماعی دانش کا نمائندہ رہا ہے۔یہی سبب حقیقی ہے کہ معاصر فلسفے اور جدیدیت کی حتمی بنیاد مذاہب اور اسطورہ کے عقائدی تصورات پر ہی استوار ہے۔جس کی جڑیں تاریخ کے پنوں میں تلاش کی جا سکتی ہیں۔غالب اور مغلوب، حاکم اور محکوم، صارف اور تیار کنندہ، تاجر اور خریدار کا یہ کھیل آگے بڑھتے ہوئے، معاصر زمان میں سرمایہ داری کی لاٹھی پر اندھے بھروسے کی تلقین کا خواہاں ہے۔ہاں یہ تضاد اپنی جگہ کہ اپنی فلسفیانہ اساس میں یہ فکریات کئی مقامات پر خود مذہب کی نفی پر اصرار کرتی ہیں۔یہ نفی تائید وتردید کے تصور سے ماورا علمیاتی تشکیل میں خدا کی دخل اندازی یا انسان کے سماجی تفاعل میں خدا کی حصہ داری کے بجائے ایک آزاد، مستحکم، روائتی نظامِ معیشت کی پیش کار ہے۔جن کا محور و مرکز طاقت کے منابع پر علمی اور فکری دسترس حاصل کرنے سے متعلق ہے۔جس کے باعث ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے علاوہ تیسری دنیا کے انسان کے وجود کی ''صارفی حیثیت'' مرکز اختیار کرتی ہے۔مگر اپنی افتاد میں نسلی اور معاشی تفریق پر

بھروسہ کرنے والا انسان تیسری دنیا کے فرد سے لاتعلقی بلکہ اس کے وجود کو اضافی سمجھنے لگا ہے۔اس صورت حال میں مغربی فلسفے کے بعض بڑے اذہان نے بلاتفریق رنگ و نسل و مذہب انسان معاشروں میں عالمی مساوات کی بات کی ہے۔جن میں دیگر کچھ ناموں کے ساتھ بیلجیم نژاد امریکی دانشور، فلسفی، ماہر لسانیات نابغۂ روزگار مشل فوکو شامل ہے۔مشل فوکو ۱۵/اکتوبر ۱۹۲۶ء کو فرانس کے علاقے پوائٹرز میں پیدا ہوا۔جبکہ بطور نظریہ ساز، مصنف، دانشور، انقلاب ایران سے متاثر ہونے سمیت کئی جہات میں بھرپور زندگی گذارنے کے بعد ۲۵/جون ۱۹۸۴ء کو فرانس ہی کے شہر پیرس میں کوئے عدم روانہ ہوا۔فوکو کی پہلی تصنیف تاریخ اور دیوانگی (History and Madness) سال ۱۹۶۱ء میں منظر عام پر آئی۔اس کے بعد تو گویا تحقیق و تجزیات اور نظریہ سازی کا سیلانِ بیکراں اپنی راہیں بنا کر آگے بڑھنے لگا۔کلینک کا ارتقاء (The Birth of clinic) ۱۹۶۳ء، اشیاء کی ترتیب (The order of Things) ۱۹۶۶ء، آرکیالوجی (The Archeology) ۱۹۶۹ء، مصنف کیا ہے (what is an Author) ۱۹۶۹ء، تنظیم اور سزا (Discipline and punishment) ۱۹۷۵ء، بے اعتدال (Abnormal) ۱۹۷۵ء، جنسی تجربات کی تاریخ (The History of sextualiy) اور بائیو پولیٹکس کی ابتداء (The Birth of BioPolitics) ۱۹۷۸ء، طاقت اور علم (knowledge/Power) ۱۹۸۰ء، ذہنی بیماری اور شخصیت (Mental illness and Personality) ۱۹۴۸ء سمیت کئی یادگار کتابیں مشل فوکو کے علمی ڈسکورس کا حصہ ہیں (۱)۔

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے فکری مباحث اردو ادب و نقد میں ایسی پیچیدہ بھول بھلیوں کا عنوان ہیں۔جن کی تفہیم کے ماخذات میں بنیادی انگریزی کتب و مضامین سے کم جبکہ اردو میں ترجمہ شدہ متون سے زیادہ اور یک رخی وابستگی اختیار کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان مباحث کی فکری حد بندی اور زمانی تخصیص کے باب میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔

مابعد جدید افکار میں دیگر اہم فلسفیوں اور دانشوروں کے علاوہ دریدا اور فوکو کی اہمیت مسلم ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ فلسفے اور انسان کی ذات اور اس کی ترقی کا یہ سفر طویل عرصہ سے جاری ہے اور آنے والے دنوں میں جاری رہے گا۔مشل فوکو کے ہم عصر دریدا، سارتر سے پہلے ہیگل، کانٹ، نطشے ایسے اذہان نے انسانی شعور کی بہتری کے لیے نئی راہیں اختیار کی ہیں اور یہ سلسلہ انسانی وجود کے ارتقاء کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جائے گا۔اس جدید فکری ڈسکورس میں ہمارا یہ مقالہ 20 ویں صدی کے فکری منظر نامے میں مشل فوکو کی اہمیت اس کے نئے نتائج اور تیسری دنیا کے انسان کی سماجی حالت کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

مشل فوکو ساختیاتی اسکول کے نظریات کے حوالے سے بھی لکھتا اہم حوالہ ہے اور پس ساختیاتی فکریات کو سمجھنے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پس ساختیات پر اردو میں ابتدائی کتب میں سے ایک "ساختیات پس ساختیات اور مغربی شعریات" از گوپی چند نارنگ نے مشل فوکو کا شمار پس ساختیاتی مفکرین میں کیا ہے۔(تفصیل کے لیے مذکورہ کتاب دیکھی جاسکتی ہے)

فوکو اپنی فکریاتی تنظیم میں ساختیت کے خول سے نکل کر مابعد جدیدیت کے دائرے میں داخل ہونے والے

مغربی مفکرین میں نمایاں ہے۔بعض اردو ناقدین کا خیال ہے کہ مشل فوکو تیسری دنیا کے پسماندہ افراد کے مسیحا کی صورت میں سامنے آتا ہے کہ اس نے روایت کے مطالعاتی ڈسکورس سے طاقت کے مرکز کی شناخت اور اس کی تردید پر یقین رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے ہاں موجود متفرق تجزیاتی آلات اور علمی خزائن روایت سے درایت کے ساتھ جدیدیت کی جدلیات سے پیوست ہوتے ہوئے، ایک واضح قدم آگے بڑھاتے ہیں۔یہی باعث ہے کہ ان کے افکار کی تفہیم کے لیے ان دوراہوں پر احتیاط سے اگے بڑھنا لازم ہے۔

مابعد جدیدیت کے مطابق اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی، تیرگی اور روشنی، اندھیرا اور اجالا محض اضافی تصورات ہیں۔جن کا زمینی حقائق سے تعلق اسباب کی علت و معلول کے رشتے پر قائم ہے۔چونکہ نئے زمانے میں مادہ اہم ترین قدر ہے لہذا بہت سے عوامل کی کارگذاری میں سرمائے اور سرمایہ دار کی حیثیت ناگزیر صورت اختیار کی چکی ہے۔سرمایہ دار اپنی منشاء اور مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے اچھائی اور برائی کی حدود کا تعین کرتا ہے۔جبکہ قدیم اور جدید تصورات میں ان کی کیفیت مختلف ہے۔ایک تاثر یہ بھی ہے کہ جدیدیت کو رد کرنے کے باوجود مابعد جدید افکار کانٹ اور ہیگل کے فلسفیانہ تناظر سے پس انداز ہو کر آگے نہیں بڑھ سکتے۔گزشتہ صدی بھر میں سرمایہ دارانہ نظام نے سرمائے کے نیو ورلڈ آڈر کے تحت روس جیسی طاقت کے حصّے بخرے کرنے کے بعد ایشیا، افریقہ، مسلم دنیا کے بیش تر ممالک کو عدم ادائیگیوں اور تجارتی خساروں کے عفریت سے معاشی ابتری اور شدید غربت سے دوچار کر رکھا ہے۔جس کے سبب سے ان ممالک میں افراطِ زر کے تمام اشاریوں کی بلندی کے علاوہ منہگائی بے روزگاری، پس ماندگی، کم مائیگی، غربت، جہالت ایسے لامحدود مسائل روز افزوں پھلتے پھولتے، شش جہاتی حقائق ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قدیم جاگیردارانہ نظام اور شکستہ، گمراہ کن اور پابہ زنجیر جمہوریت ان ملکوں میں دن پہ دن پسپا ہو رہی ہے۔یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جب تک دنیا میں صنعتی پیداوار اور سرمائے کی ملکیت کا نظام متوازن نہیں ہوتا، عالمی سماج کا متوازن جمہوری ارتقا ناممکن ہے۔اس متوازن نظام کی استواری کے لیے کس نوعیت کے اقدامات کی ضرورت ہے۔اس حوالے سے نئے زمانے کے سماجی مفکرین نے خوب کھل کر لکھا ہے۔جن میں سے بعض سرمایہ دارانہ نظام کے مثبت پہلوؤں میں سے ایک این جی او کی فلاحی عمل داری سے مختلف طبقات کو حاصل جدید سہولیات کے معترف ہیں۔تو بعض اشتراکی، وسائل کی مساوی تقسیم اور دنیا میں مشترک انسانی اقدار کے فروغ کے خواہاں ہیں۔پندرہویں صدی کے عین وسط سے گزشتہ پانچ صدیوں پر محیط جنگی جنون اور خوں ریزی کے ایک باب کے اختتام پر، جن میں صلیبی جنگوں کی دوسو سالہ بربریت اور اس کے نتیجے سے حاصل شکست و ریخت اور قتل و غارت بھی شامل تھی، انسان نے اپنے نئے افکار کے توسل سے کئی طرح کے قائم کلاسیکی تصورات پر از سرنو خیال آرائی کے لیے ماحول ساز گار بنایا۔گذرے وقتوں میں عیسائی راہب کی طرف سے گھڑی الوہی کہانیوں، کلیسا و گنبد کے سائے میں دائمی امن اور جناب عیسیٰ کے غیبی وجود کے باعث عیسائی اقوام کو حاصل ہونے والی دائمی کامیابیوں اور حاکمیت کی خوش خبری کے سب دعویٰ دھرے کے دھرے رہ گئے۔یہ وہ زمانہ ہے جس نے مغربی اقوام کو شدید جھٹکا لگانے کے ساتھ اسلامی تہذیب سے روشناس کرایا اور نئے سرے سے اشیاء و واقعات کی ترتیب کو سمجھنے اور نئی حکمت عملی تیار کرنے کی راہیں سجھائیں۔صلیبی جنگوں میں ناکامی اور روم و ترکیہ پر اسلامی حکومت کے زیر اثر پنپتے حالات کے تفصیلی مطالعات کے لیے دیکھیں (۲)۔

ماہرین کا ایک گروہ انیسویں صدی کے بعد انسانی زندگی کے مجموعی دھارے میں برپا ہونے والی تبدیلیوں کو جدیدیت کا پیش کار سمجھتا ہے. جدیدیت کے بنیادی عناصر میں عقل پرستی، داخلی کشاکش اور خودمختاری کے حصول کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ادب میں اس رجحان کے ابتدائی نمونے مغرب سے دیگر دنیا میں نمو پذیر ہوتے ہیں۔عالمی ادب میں کافکا پروست، کامیو، ڈی۔ایچ لارنس، جیمس جوائس، ولیم فاکنز، ٹی ایس ایلیٹ، ایذرا پاؤنڈ، شکلو وہسکی، باختن، ڈبلیو۔سی ولیمز، بریخت وغیرہ کو ناقدین نے جدیدیت کے علمبردار ٹھہرایا۔جدیدیت کی کوکھ نے وجودیت کو جنم دیا۔جس پر کبھی سرمایہ داری کی محافظ ہونے کا الزام لگایا گیا تو کبھی مارکس کی مساوی جدلیات میں انسان کے وجود کو مرکز تسلیم کیا گیا۔اس تصادم میں مابعد جدیدیت کے افکار نے اپنے لیے راہیں ہموار کیں۔مابعدِ جدیدیت اپنی فکری اساس میں سلبی اجزاء کا حاصل ہے۔جس کا مدعا موجود سے اعراض اور مطلوب کو حتمیت کے ساتھ متعین کرنے سے گریز اختیار کرنا ہے۔مابعد جدیدیت کے پیش کاروں میں نطشے، ہائیڈیگر ایلین پو، دریدا، فوکو وغیرہ کی اہمیت دوچند ہے۔یہ لوگ متضاد اور باہم متصادم تصورات کو عقل کے لیے ناقابلِ قبول گردانتے ہیں۔باوجود اس کے کہ زندگی کا معاصر منظر نامہ انہی کوائف سے عبارت ہے۔یہ وہ مغربی مفکرین ہیں۔جن کے غالب افکار کی بنیاد میں ہیگل کا فلسفہ، سیال مادے کی طرح متحرک ہے۔مغرب اپنے عمومی رویے کے مطابق تیسری دنیا خاص کر مسلم ممالک کو مذہبی، بنیاد پرست قرار دے کر روشن خیالی کا دشمن گردانتے ہیں کہ ان کے خیال میں روشن خیال فرد خدا کے وجود کا منکر ہوتا ہے۔باوجود اس حقیقت کے ادراک کے کہ ہیگل نہ صرف خود مذہبی بنیاد پرست فلسفی ہے۔بلکہ ناقدین کی رائے کے مطابق "مسیحی تثلیث کا تصور ہیگل کے فلسفہ میں موجود ہے(۳)۔

ہیگل ہی نہیں ژاک دریدا کے فلسفیانہ مباحث کو عیسائی یہودی اسطورہ کے تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔جب ہیگل سپرٹ، خدا ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو اس کے فلسفیانہ تناظر کا حصہ ہوتے ہیں تو یہاں خدا سے مراد وہ مذہبی خدا نہیں ان امور کو سمجھنے کے لیے ہیگل کی کتاب System of spirit کے دیباچے سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔جہاں ہیگل اپنے فلسفیانہ نکات کی نہاد اور سمتوں کا تعین نہایت وضاحت کے ساتھ کرتا ہے(۴)۔ہیگل کے نظریات، کانٹ کے فکری دبستان کا آئندہ پڑاؤ ہیں۔جن کو دریدا مزید وسعت آشنا کرتا ہے۔ایڈورڈ سعید کو مسلم دنیا روشن خیال مابعد جدید اور امریکی سرمایہ دارانہ نظام کا ناقد سمجھتی ہے۔اتنی سی بات سمجھنے میں کون سی دقت ہے کہ ایڈورڈ سعید ایک طرف مشل فوکو کے ثقافتی مرکزیت ڈسکورس سے متاثرہ ہے۔دریدا سے جدیدیت مابعد جدیدیت کے افکار مستعار لیتا ہے۔تو دوسری طرف امریکی سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ دوستانہ اختلاف کا رشتہ بنائے ہوئے ہے۔جس طرح ہندوستان میں نوآبادکار انگریز استعمار کی سہولت کے لیے سرسید اور ان کے رفقاء نے کردار ادا کیا تا کہ استعمار کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوں اور انہیں نوآبادکار کی طرف سے عیش وعشرت کے سامان میسر ہوں۔ایڈورڈ سعید کی فلسفیانہ فکر میں جدیدیت کے مقدمے کو جارجیہ جنگ، فتح قسطنطنیہ کے اثرات میں بدلتی مغربی فکر اور سلطنت عثمانیہ کے خاتمے سے پہلے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کی کالونی کاری کے عمل کو دھیان میں رکھے بغیر پرکھا جاتا ہے۔یہ بات ہر طالب علم جانتا ہے کہ جدیدیت کا ایک پہلو سترہویں صدی عیسوی کی ابتدائی دہائیوں میں برطانیہ کی طرف سے بین الاقوامی سطح پر نوآبادیات کا قیام ہے۔جن کی شکست وریخت پر مابعد جدیدیت کی عمارت استوار ہے۔اس نئے منظر نامے میں ایک طرف روسی اشتراکیت دنیا کے غالب افراد کی آواز ہے۔

دوسری طرف امریکی سرمایہ داری، ملٹی نیشنل کے قیام در قیام کے ساتھ اپنے اثرات اور نفوذ کو بڑھا رہی ہے (جس کی بنیاد میں مشرقی ہندوستانی کمپنی کے بنیاد گزاروں کی حکمت عملی پوشیدہ ہے) یہ وہ زمانہ ہے جب لفظ اور معنی کی بحث کا سلسلہ امریکی نظام کے زیر اثر پھیلنا شروع ہوا۔ اس حوالے سے دریدا کے خیال میں لفظ بھی معانی کا ویسا ظرف ہے جیسا کہ خود ذہن۔ مابعد جدید فکر میں مابعد تانیثیت اور پس ساختیات کو مرکزی حیثیت ملی۔ مابعد جدید مفکرین کا اہم ترین حوالہ مشل فوکو اپنے افکار میں واضح اور دوٹوک موقف اختیار کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کی فلسفیانہ آئیڈیالوجی اپنی نہاد میں دو اہم فلسفیوں کانٹ اور نطشے سے متاثرہ یا ان کے خیالات کے آئندہ مراحل ہیں۔ ہمارا مقالہ ان مباحث کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے، فرینچ فلسفی مشل فوکو کے فلسفیانہ افکار کے تجزیات پر بنیاد کرے گا۔ سوال کی تخریج کے مطابق معیاری طرز تحقیق و تجزیہ اپنایا جائے گا تاکہ وضاحتی طوالت کی بجائے۔ موضوع اور خیال کی تجرید کو تجسیم کیا جا سکے۔ مورخ، نظریہ ساز اور سماجی تفاعل میں کلام طاقت، ثقافت، سماجیات، جنس کے تاریخی مطالعات پر استور فوکو کے فکریاتی ساختے نے جدیدیت کے اختتام اور مابعد جدیدیت کے ابتدائی زینے پر اپسٹیم، ڈسکورس، آرکیالوجی، ارکائیو، متعلق بیان، ساختیاتی، قضایاتی، بیان، مواد کی تکرار پذیری، علم، تاریخی اے پرئیاری، مثبتیت، اوور اجیسی نئی اصطلاحات سے علم و ہنر کے کئی در وا کیے۔ اس طرح فوکو کو جدیدیت سے مابعد جدیدیت یا ساختیات سے مابعد ساختیات کے ارتقائی سفر کا پیش کار کہا جا سکتا ہے۔ مشل جدید سماجی تفاعل میں انسان کی صورت حال اور اس پر اثر انداز ہونے والے متفرق معاملات کو اپنے ڈسکورس کا حصہ بناتا ہے۔ فوکو اپنے پیش رو فلسفیوں نطشے، سگمنڈ فرائیڈ کی روایت سے متاثر ہے۔ مگر اس کا امتیاز اپنی الگ راہ بنانا اور پھر اس رستے پر کئی نئے علمی اشجار کی پرداخت کرنا ہے۔

اردو دنیا کے لیے مشل فوکو کی اہمیت اور افادیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ وہ ثقافتی تفاعل کی تشکیل میں مضمر کئی تعاملات کی نشاندہی کرتا ہے. اس کے علاوہ فوکو متن کو بنیاد بنا کر قاری/ سامع کو متن کے داخلی پیرائے سے خارجی کائنات کی طرف توجہ دینے کی تلقین کرتا ہے۔ جس کی نہاد تصور قومیت پر استوار ہے۔ جبکہ آج کی اردو دنیا تصور قومیت کے علاقائی تصورات کی اسیر ہے۔ جس کو ملی تناظر میں وسعت دینے کی اشد سماجی ضرورت ہے۔ فوکو کا میدان گو ادب نہیں لیکن اس کے فکر و خیال کی چھاپ ادبیات پر ناقابل فراموش ہے۔ مشل کا ورود ادبی تاریخ کے تسلسل میں اُس زمانے میں ہوا جب ادبی علوم کے چہرے پر سرمایہ دارانہ سرکس کی گہری دھول جم چکی تھی۔ جدیدیت بطور تحریک انسانی علوم و افکار کے کلاسیکی تصورات کو اپنی زد میں لی چکی تھی۔ یہ زمانہ فکری پیرائے کی صورت اس عہد کی نمائندگی کا اختیار حاصل کر چکا تھا۔ جب اجتماع پر انفراد، جمال پر بے چہرگی اور اصول کی جگہ پر بے اصولی نے انسانی تفکر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ دو عظیم جنگوں نے مغرب کے تمام تر سماجی اور اقداری تصورات کو تہہ و بالا کر دیا۔ جس کے فوری اثرات رومانی فطرت پرستی سے منحرف ہوتے ہوئے۔ جدیدیت کے فکری چہروں میں اپنی روح کا اعلان کرتے ہیں یہ وہی زمانہ ہے جب ہر طرح کی مثالیت پرستی سوال کی زد پر تھی۔ جنگ کی تباہ کاری نے انسان کے جمالیاتی پہلوؤں اور خود انسان پر بھروسے کے تصور کو بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اپنے کُل میں یہ زمانہ فکری پیچیدگی اور اخلاقی تنزلی کا زمانہ ہے۔ ایک طرف نظریہ ارتقاء کے پیروکار خدا اور انسان کے درمیان روابط کی صورتوں کو رد کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف فرائیڈ نے انسانی نفسیات کے سماجی، معاشرتی نظم

کو شعور، جنس اور خواہش کی تثلیث پر کلاسیکی اطوار سے نہ صرف علاحدہ کیا بلکہ خاص طرح کے نئے سوالات کو جنم دیا، جنہوں نے صدیوں سے رائج انسان کی اخلاقی اقدار کی تنظیم و ترتیب کی نہ صرف نفی کی بلکہ اس میں موجود پیچیدہ غلام گردشوں کو بھی عیاں کیا۔ بیسویں صدی کا زمانہ بلاشبہ سیاست، سماج، نفسیات، طب، تاریخ اور ادب کے میدان میں لاتعداد حوالوں سے اہم زمانی وقفہ ہے۔ ان نئے مفکرین میں سے کارل مارکس نے عالمی سطح پر اپنے خیالات کی بنیاد پر خوب پذیرائی حاصل کی۔ مارکس نے انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کے داخلی سیاسی حالات پر امریکی انگریزی اخبار میں سلسلہ وار لکھا(۵)۔ مارکس کے فکری نشانات سرمائے کی متوازن تقسیم کے باعث دنیا بھر کے متوسط اور نچلے طبقے کے خیابانوں میں پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہوئے۔ جس کا ایک مظہر انقلابِ روس کی صورت دنیا کے سامنے آیا۔ مارکس پرستوں نے اُس کے افکار کو مزید وضاحت، تفصیل کے ساتھ انسان اور معاشرے کے باہمی عوامل میں شامل کیا اور مکمل ضابطہ حیات کے طور عالمی سطح پر متشکل کیا۔ کارل مارکس, لینن، پلیخانوف، لوکاچ کے اشتراکی خیالات کے مقابل اسی زمانے میں سرمایہ دارانہ نظام اپنی پوری توانائی کے ساتھ میدانِ کارزار میں اتر چکا تھا۔ جس کی بنیاد میں صنعت کار اور تاجر کی دولت کا استعمال کھاد کا کام کر رہا تھا۔ اس سارے منظرنامے میں بالخصوص نوآبادیوں میں ادب نے صارفیت کا پلو نہایت مضبوطی سے پکڑ لیا اور بتدریج اشتراکی فکر سے دور ہٹتے چلے گئے۔ ادیب کے لیے ادب ذہنی و جذبی مسرت کے بجائے مادی ضرورت کی صورت اختیار کرنے لگا۔ مصنف خواہ وہ شعر سے جڑا ہو یا فکشن نگاری میں مشغول، اپنی ادبی صلاحیت کا استعمال بطور پیداواری ذرائع کے کرنے لگا۔ سرمایہ داری نے خاص ترکیب سے نظام زندگی کو بری طرح اپنے آہنی بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔

> ''سرمایہ داری کا لفظ انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصہ سے بہت زیادہ استعمال ہو رہا ہے۔ یہ ساری دنیا کی تقسیم دولت اور موجود طریق تجارت کو ظاہر کرتا ہے۔ آج کا باشعور فرد سرمایہ داری سے ناواقف نہیں کیونکہ سرمایہ داری سے تعلق داری دنیا کے تقریباً ہر ملک میں ہر فرقہ و قوم میں پائی جاتی ہے۔ معاصر اصطلاح میں سرمایہ داری کی مختصر تعریف کی جائے تو یہ ہو سکتی ہے کہ ایک فردِ واحد یا چند افراد اپنی پونجی سے کوئی تجارتی یا صنعتی کام شروع کریں۔ جس کے انجام پذیر ہونے کے لیے وہ عسرت زدہ لوگوں کو مقرر کریں اور اپنے خیال کے مطابق ان کی مزدا دا کر دیں۔ آرتھر ینگ سرمایہ دار کو صاحب دولت کہتا تھا اور کالرج نے سرمایہ دار کو ہمیشہ مزدوروں کا حاکم کہہ کر یاد کیا۔''(۶)

مندرجہ بالا بحث میں سرمایہ داری کے تین پہلو نمایاں ہوتے ہیں:

1۔ سرمایہ دار صنعت و تجارت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے روپے کی بڑی مقدار پر بطور آجر قابض ہوتا ہے۔
2۔ اپنے کام کی تکمیل کے لیے وہ افلاس زدہ افراد کو منتخب کرتا ہے تاکہ مزدوری کم سے کم تر طے پائے۔
3۔ سرمایہ دار غریبوں کا حاکم ہوتا ہے۔

حاکمیت کے اس تصور اور لذت نے سرمایہ دار کو اپنے سرمائے میں اضافے اور اس سے کشید ہونے والی مسرت کا روز بروز دیوانہ بنایا۔ دوسرے پہلو کی عملی صورت دیکھیں کہ مشرقی ممالک خاص کر پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان کے

لوگ کس طرح معمولی اجرت پر مغربی ممالک کے کارخانوں اور گوداموں میں اپنی ہڈیوں کا چورن بنوانے کو بے تاب رہتے ہیں۔آج اس سماجی عامل نے عفریت کی شکل اختیار کر لی ہے اور بنی نوع انسان کے لیے سوہان روح بن چکا چونکہ خرابی کی یہ صورت تیسری دنیا کی اقوام میں زیادہ تھی۔اس لیے یہاں مجموعی ماحول میں عدم اعتماد اور تشکیک کی فضا روز بروز بڑھتی چلی گئی۔اس منظر نامے میں مشل فوکو نے ادبی دنیا میں کئی طرح کے نئے سوالات پیدا کیے۔جن سے ادب اور ادیب دونوں کے لیے غور وفکر کے مواقع پیدا ہوئے۔فوکو پس ساختیات کو نئی فکری تبدیلیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔یوں جدیدیت کے باطن سے پھوٹے ساختیاتی نظریات پر کڑے سوال کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔اس میں متن کے مطالعہ کی ترغیب ہے،تو ساتھ ہی بارت کے مصنف کی موت کے اعلان کے برعکس متن کے باہر کی دنیا سے رشتہ جوڑنے کی راہیں بھی دکھائی جاتی ہیں۔مشل فوکو کے خیال میں جدید مباحث کے زیر اثر پھیلا متن مرکزیت کا تصور ادھورا ہے۔اس سبب سے متن سے وابستہ معنی کے قیام میں التوا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔مشل اپنے مطالعاتی مواد،منہاج اور اپنے ڈسکورس یعنی مدلل کلامیہ کو لا مرکز رکھتا ہے۔وہ مرکز سے کسی بھی نوع اور کسی بھی سطح کی وابستگی کے خلاف اسی لیے ہے۔کہ اس کے خیال میں اس وابستگی کا لازمی مطلب ایک بنیاد اور اتھارٹی کو قبول کرنا ہے۔اس طرح وہ مرکز میں رہتے ہوئے لامرکزیت یا مرکز تردید نظریات کی بنیاد سازی کرتا ہے۔اس کے مطابق مرکز ہی تمام طاقت کا منبع ہے۔فوکو کے ڈسکورس کی لامرکزیت کی وجہ سے اُس کے نظریاتی موقف کا تعین بھی مشکل ہے۔اس کی فکری تشکیل جس مواد کے تحقیقی مطالعہ سے ہوتی ہے۔وہ ''پاگل پن اور تہذیب''،کلینک کی ابتداء،انسانی سائنسیں اور جنسیت کی تاریخ ہیں۔اس حوالے سے خاص بات یہ ہے کہ مصنف نے ان کتابوں میں پاگل پن،طب،سائنسوں اور جنسی تجربات کے مغربی تصورات کی تاریخ پیش نہیں کی بلکہ ان کا تاریخی تجزیہ کیا ہے۔مشل فوکو تاریخی دھارے میں انسانی تاریخ کے تجزیاتی مطالعات سے نتائج کے استخراج میں مگن رہا۔فوکو کے نزدیک طاقت ایک ڈسکورس کے تحت اشیاء کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔جس میں ہر زمانے کی (Epistemology) اپسٹیم،اس کے مرکزی ڈسکورس (Discourse) کا تعین کرتی ہے۔فوکو کے افکار نے بیسویں صدی میں ادبی فضا پر چھائے افراتفری کے مہیب سناٹوں اور اس کے چہرے پر پڑی سرمایہ داری کی سفاک ظلمتوں کی حقیقت کو آشکار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔اس نے دانشور کے لیے روائیتی اوزاروں اور تجزیہ کاری کے طے شدہ ضوابط کو مشکوک قرار دیتے ہوئے،سماجی ثقافتی تفاعل میں ہراکائی کی تفہیم کے لیے آزاد اصول اپنانے کی طرف توجہ مرکوز کی۔یعنی کسی بھی شئے کا تجزیہ اس کے اپنے اور آزاد سیاق وسباق کی روشنی میں کیا جائے اور اشیا،واقعات،افراد،اقوام،متون غرض کسی شئے کو ایک طے شدہ کلیے کے تحت جانچنے سے گریز کیا جائے یوں مشل فوکو نے آفاقی اصولوں ایسی اساطیر کو رد کرنے کی نئی روایت کی بنیاد ڈالی۔اُس نے انسانی فکر کو اپنی اساس میں ثقافتی تشکیل قرار دیا،جو اپنی ترتیب و تنظیم میں آزاد نہیں بلکہ خاص طرح کے تشکیلی نظام کے تابع اور ثقافتی سماجی،سیاسی،معاشی،تہذیبی ڈسکورس کے زیر اثر ہے۔سو لازم ہے کہ اس کا بنیادی جوہر مقتدرہ کے جبر سے انکار کرنے کی ہمت پر قائم ہونا چاہیے۔اور یوں اس نے سماجی تنظیم آزاد تعامل کی ساخت کے اصول کے تحت تشکیل دینے کی مکمل سعی سے مشروط کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔فوکو سماجی اور ثقافتی عوامل کے تجزیاتی تفاعل میں لسان کے ساختی ڈھانچوں کی اجارہ داری کے خلاف ہے (حالانکہ جدید اور مابعد جدید نظریات میں مرکزیت زبان کو حاصل ہوتی ہے) اس

کے نزدیک یہ صورت پذیری مقتدر اشرافیہ کی دی ہوئی ہے۔اس باہمی تعامل کے سبب سے وہ سماجی تشکیل کو قابل بھروسہ متن قرار نہیں دیتا فوکو کی حیات کے زمانی وقفے اور اس کے نظریات کے مغز کو ان الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے:

> "Paul-Michel Foucault (15 October 1926 - 25 June 1984) was a French philosopher, historian of ideas,writer, political activist, and literary critic. Foucault's theories primarily address the relationship between power and knowledge, and how they are used as a form of social control through societal institutions.Though often cited as a structuralist and postmodernist, Foucault rejected these labels".(7)

فوکو طاقت اور علم کے باہمی روابط کو سماج کو مخصوص افراد کی گرفت میں لانے کے لیے، سماجی اداروں کے آلہ کار کے طور پر دیکھتا ہے۔اپنی جدیدیت اور پس ساختیاتی فکریات کے تحت وہ ان مراکز کو رد کرتا ہے۔جس میں ساختیاتی اور مابعد جدید فکریات کی آمیزش موجود ہے۔فوکو کے ان خیالات کی ترجمانی ڈاکٹر علمدار بخاری کس خوبی سے کر رہے ہیں۔

> ''انسان کی کامل انفرادی آزادی کا تصور جس کی بنیاد حکومت یا دیگر معاشرتی اداروں کی مکمل عدم مداخلت پر قائم تھی عملاً ناقابل عمل تھا۔خاص طور جدید صنعت ٹیکنالوجی، کارپوریٹ سرمایہ، ملٹی نیشنل کارپوریشنوں اور اجارہ داریوں کے بعد مارکیٹ کی طاقت میں جو بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔ اس سے معاشرتی عدم مساوات ناقابل عبور فاصلوں میں بٹ گئی۔''(۸)

طاقت کے مرکزی جوہر پر سرمائے اور سرمایہ دار کی گرفت کو مشل فوکو کے تجزیاتی مطالعات میں بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔اس کے ہاں طاقت اور علم کے باہمی تعاملات سے سماجی تنظیم میں طاقت کے حصول اور مختلف سماجی سرکاری اداروں پر رسوخ کے قواعد کو گہری تجزیاتی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔جس کا مدعا سماجی اور ثقافتی عوامل کے تجزیاتی تفاعل میں لسان کے ساختی ڈھانچوں کی اجارہ داری کے خلاف ہے۔مشل کے مطابق ثقافتی تشکیل کوئی قابل اعتماد متن نہیں۔کیونکہ اس کے پیش رو معاشرتی تفاعل میں سماجی تشکیلات کے متفرق پہلوؤں کو متن قرار دیتے ہیں۔جن کی اساس ثقافتی تشکیلات کے نظام سے مشروط کی جاتی ہے۔فوکو اسی تشکیلی نظام کو معاصر اپسٹیم (Episteme) اور مقتدر کے ڈسکورس (Discourse) کے تابع بیان سے واضح کرتا ہے۔یہی عمل سماجی تنظیم میں ذہن سازی میں معاون رہتا ہے۔ جس کی سادہ ترین مثال ہمارے ہاں الیکشن مہم کی صورت دیکھی جا سکتی ہے۔جہاں عوامی خواہش کی شناخت سے طویل مدتی منصوبہ جات کے تحت عوام کی ذہن سازی کا عمل کیا جاتا ہے۔یہی حالات ادبی متون میں بھی روا رکھے جاتے ہیں۔جہاں تخلیق کار کامل آزادہ روی کی بجائے بازار کی نفسیات اور خریدار کی قوت خرید سے جوڑ کر، پہلے تخلیقی عمل سرانجام دیتا ہے اور دوسرے مرحلے میں کتاب کی تیاری میں مصروف دکھائی دیتا ہے یہی وہ وجہ ہے۔جس کے تحت متشاعرات اور چربہ ساز افراد

کی طرف سے پیش کردہ ادبی متون اور سرقہ شدہ مواد کو بھی عوامی سطح قبول کیا جاتا ہے۔ایک طرف تو یہ لوگ عام آدمی کی علم و ادب سے دوری کے سچ کو ذہن میں رکھتے ہیں تو دوسری طرف ان کے جذباتی میلان کو مدنظر رکھتے ہوئے، عامیانہ لوچ دار زبان اور جنسی خواہش کی تکمیل کے نمائندہ اور ان کے سطحی مزاج، پسندیدہ ذائقے (Taste) کے عین مطابق ادب سامنے لا رہے ہوتے ہیں۔جس میں جنسی خواہشات کو عموماً مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔جو ادب کی تاجرانہ ضروریات کو پورا کرتی ہے۔

مشل فوکو کا ایک بڑا میدان ساخت اور ساختی ڈھانچوں کے تنظیمی مراحل ہیں۔جن کو وہ سماجی تفاعل میں بنیادی اہمیت دیتا ہے۔فوکو لسانی تشکیلات کے عمل کو ثقافتی تہذیبی عمل کی دین قرار دیتا ہے۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ان لسانی نشانات کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔ان کا یہ وضاحتی نوٹ لسان کے ساختی ڈھانچوں کی تشکیل کے بنیاد گزار سوسئیر سے مستعار ہے۔مگر لسانی تشکیل کے بنیادی عناصر کے تعین میں اہمیت کا حامل ہے:

> ''سوسئیر زبان کے سماجی حقیقت ہونے پر اصرار کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ فقط ایک سماجی گروہ ہی نشانات کو خلق کر سکتا ہے۔زبان اول و آخر ایک سماجی معمول ہے۔معنی نما اور تصورِ معنی کی ہم رشتگی خواہ ظاہر نہ ہو، لیکن یہ عمل لسانی سماج کے اندر ہوتا ہے۔کوئی بھی سماج بغیر زبان کے علامتی نظام کے قائم ہو ہی نہیں سکتا نہ ہی اس کے ذرائع پیداوار، رہن سہن یا اداروں کا کوئی تفاعل زبان کے بغیر ممکن ہے۔بقول سوسئیر زبان اسی وقت وجود میں آجاتی ہے جب سماج وجود میں آتا ہے۔''(۹)

ساختیاتی مفکرین زبان کے سماجی کردار پر ڈسکورس قائم کرتے ہیں اور متن کو مرکزی اہمیت دیتے ہیں۔ان کے مطابق زبان، سماج، معاشرتی روایات اور فکری تعاملات باہم مربوط ہوتے ہیں۔جن کے سامنے تخلیق کار کی حیثیت ایک عامل کی ہے۔جو اپنی صلاحیت کے بل پر اس سے مستفید ہوتا ہے۔زبان ان مفکرین کے نزدیک چونکہ سماجی حقیقت ہے۔لہاذا یہ خاص مکتب فکر کی طرف سے ترتیب دی جاتی ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے سوسئیر کے خیالات کی وضاحت کی ہے۔جو زبان کے تخلیقی عمل میں خاص گروہ کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔فوکو ان نظریات کی مزید تطہیر کرتے ہوئے اس ثقافتی عامل کے پس پشت کارفرما سیاسی معاشی تفاعل کو نشان زد کرتا ہے اور اس عمل کی مزید پرتوں کو کھول کر واضح کرتا ہے۔اس کے خیال میں انسانی فکر نہ فرد کی تخلیق کردہ ہے نہ ہی فطرت کی دین ہے نہ اسے اجتماعی ہیت نے سماجی عمل سے خلق کیا ہے۔بلکہ یہ ثقافتی تشکیل ہے۔فوکو کے علمی استفسارات بارے ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> ''فوکو بیک وقت اپنے مطالعاتی مواد، مطالعاتی منہاج اور اپنے ڈسکورس کو لامرکز رکھتا ہے وہ مرکز سے کسی بھی نوع کی وابستگی کے خلاف اس لیے ہے کہ اس وابستگی کا لازمی مطلب ایک بنیاد اور ایک اتھارٹی کو قبول کرنا ہے اور یوں فکر کو پابند اور محدود کرنا ہے۔وہ اپنی مرکز گریزی کو بھی کسی استدلال اور منطق کا پابند کرنے سے گریز کرتا ہے، کیوں کہ لامرکزیت کی تھیوری وضع کرنے کا مطلب ایک طرح سے مرکز تشکیل دینا ہے اور وہ مرکز کے خلاف ہے۔''(۱۰)

فوکو کی مرکز گریز فکر پر اوپری سطور میں بات کی جا چکی ہے۔یہاں تفصیلی تشریحات کے بجائے اتنا کہنا لازم ہے کہ مرکز اس کے مجموعی فکری نظام کی تکمیل میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے۔باوجود اس کے کہ جب ہم مرکز سے گریز

اختیار کرتے ہیں۔تو گویا ہم ایک نیا مرکز تشکیل دے رہے ہوتے ہیں اور لا مرکزیت ایک مرکز کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔یقیناً فوکو اس حقیقت سے آگاہ ہے اور جانتا ہے کہ رد بذات خود ایک نئے اثبات کو جنم دیتا ہے۔یہ نیا اثبات ایک نئی تردید کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔فوکو کی مرکز گریز فکریات بھی ایک نئے مرکز کو پیدا کرتی ہیں۔یہی وہ پہلو ہے جو مابعد جدیدیت کی جدیدیت کے ساتھ صف آرائی میں بنیادی سوال کی صورت سامنے آتا ہے۔مرکز سے دوری فوکو کی تعلیمات میں وہ کلیدی قوت ہے۔جو سماجی عمل میں فیصلہ سازی کی صلاحیت رکھتی ہے۔فوکو اسی قوت کو مرکز گردانتا ہے۔جس کے پاس فیصلہ سازی کا یہ اختیار موجود ہو۔اس مرکز سے دوری اور فیصلہ سازی کے عمل خواہ وہ ثقافتی ہو یا سیاسی، سماجی آزاد نظم پر بنیاد رکھتے ہوں۔اس سارے تفاعل میں فوکو ساخت مرکزیت کے ساختی تصور کو بھی رد کرتا ہے۔یہ نظریات ایک طرف متن اور معنی کے تصورات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور دوسری طرف عالمی منظر نامے میں سرمایہ/ طاقت کی اساس پر مستحکم ثقافتوں کی مجموعی شکل پر سوال اٹھاتے ہیں۔اتنی بات واضح ہے کہ کسی بھی خیال کی تجسیم یا فکر کی تنظیم میں مرکز ہی کارفرما رہتا ہے۔خواہ یہ تنظیم مرکز گریز نظریات پر ہی قائم کیوں نہ ہو۔یہ الگ بات ہے کہ مرکز گریز پہلو اپنی ترکیب میں پہلے سے موجود مرکز کو رد کر کے معنی کے وہ امکانات رد کر دیتا ہے۔جو اُس مخصوص صورت میں پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں۔یوں نئے معنی کے قیام کے ساتھ نیا مرکز تشکیل پاتا ہے۔مشل فوکو نے ڈسکورس کو گنجین ؟ معانی کا طلسم قرار دیا ہے۔ظاہر ہے انسانی ذہن کی لاتعداد پرتوں کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ انسانوں کا باہمی مدلل مخاطبہ معنی کے کئی رنگوں پر مشتمل ہو سکتا ہے۔اس نے زندگی بھر اس بات پر اپنی توجہ مرکوز رکھی کہ فکر و خیال کی جولانیوں اور تخلیقِ فن کے لمحوں میں ڈسکورس کلیدی کردار ادا کرتا ہے کہ تخلیق کار اپنی سماجی اکائی کی صورت میں بھی ایک اجتماعی ثقافت سے متاثر فرد ہوتا ہے۔اس نے ساختیاتی انداز فکر کے بجائے پسِ ساختیات سے وابستگی کو اپنا مطمحِ نظر بنایا اور زندگی بھر اس پر کاربند رہا۔کالج آف فرانس، پیرس میں اس کے افکار کی بازگشت اب بھی سنائی دیتی ہے۔جہاں اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی پسِ ساختیات پر خیال افروز مباحث کا سلسلہ جاری رکھا۔یہاں تک کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے اس شمع فروزاں کو گُل کر دیا اور مابعد جدید فکریات میں افکار دوستی کا ہنستا بولتا چمن دائمی سناٹوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔اسے زندگی بھر اس بات کا قلق رہا کہ بعض لوگ اسے ایک ساختیاتی انداز فکر کے حامل شخص کے طور پر پیش کرتے ہیں۔بے پر کی اڑانے والوں کی بے سر و پا باتوں کی اس نے بہت تردید کی لیکن کسی نے اس جانب توجہ نہ دی۔اس نے پس ساختیاتی فکر کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اور وہ اپنے فکری سفر پر مطمئن تھا۔مشل فوکو کے اسلوب کی انفرادیت کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے لیے ایک ایسا راستہ منتخب کیا جو روایت سے پیوست مگر اپنی انفرادی پیچیدگی کے سبب تقلید کے لیے بھی ممکن نہیں یہ وہ علمی تصور ہے جو مرکز کی اجارہ داری کی صورت مغربی معاشروں کے معاشی وسائل پر قبضے کے باعث تیسری دنیا کے انسان کو مجبور اور بے بس بناتے ہیں۔ہاں یہ حقیقت ہے کہ اپنے ہم عصر دریدا کی نسبت فوکو کے ہاں اظہار کی ساخت میں پیچیدگی کم ہے۔اس نے پامال راہوں سے بچ کر نئی منزلوں کی جستجو کو شعار بنایا۔ساختیات کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس نے نہ صرف عام احساس اور عقلِ عام پر مبنی عام فہم انداز کو محض لائق اعتنا ہی نہیں سمجھا بلکہ اسے یکسر مسترد بھی کر دیا دیا۔ساختیاتی فکر نے عقل عام کی منزل سے آگے گزرنے کی راہ دکھائی اور اس حقیقت کی جانب متوجہ کیا کہ اس میں اتنی سکت

نہیں کہ وہ تہذیبی اور ثقافتی عوامل کے بارے میں حقیقی اندازِ فکر اپنا سکے۔ مشل فوکو نے ساختیات کی اس کیفیت کے بارے میں جانتے ہوئے اس سے آگے جانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ عقل عام کی تہی دامنی، بے بضاعتی اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی بھی امکان تک رسائی کی صلاحیت سے یکسر محروم ہے۔ مشل فوکو کے افکار کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ وہ عقلِ عام کو چراغِ راہ سمجھنے میں تامل سے کام لیتا ہے۔ فوکو کی نمائندہ ترکیب ڈسکورس کے مفاہیم بارے ڈاکٹر اقبال آفاقی لکھتے ہیں:

> ''مائیکل فوکو کی تحریروں میں Discourse (مخاطبہ) سے مراد خود مکتفی نظامِ فکر و عقائد یا وہ سیاسی سماجی تفکر ہے جس کا اپنا ایک ضابطہ کار ہو..... فوکو کی سکیم میں زیادہ تر ڈسکورسز دبانے اور استحصال کرنے والے ہوتے ہیں، اس لیے حق بنتا ہے کہ ان کو چیلنج کیا جائے جس طرح کہ اس نے خود History of sexuality میں مغربی ثقافت کے Heterosexuality پر مبنی طے شدہ نظریات کو چیلنج کیا۔''(۱۱)

غالباً اقبال آفاقی صاحب کی نسبت رائٹ ونگ کے پرانے مصنفین سے ہے کہ وہ ''ادیب، دانشور'' کی ذمہ داری کو "حق بنتا ہے کی صورت میں بیان کر گئے ہیں۔ فوکو کے مطابق فرد کی ذمہ داری طے شدہ معنی کی بجائے نئے اور حقیقی معنی کی تلاش ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر اقبال آفاقی فوکو کی ایک اور پسندیدہ اصطلاح Episteme کو عصری تفاخر قرار دیتے ہیں اور اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ''مشل فوکو کے نزدیک Episteme سے مراد ایک مخصوص تاریخی عہد میں بروئے کار آنے والے ثقافتی عقائد اور عملی زندگی کے طریقے ہیں۔ یہ عقائد اور عملیے مختلف مخاطبوں مثلاً قوانین، سیاست، آرٹ کے شعبوں میں بروئے کار آتے ہیں، ان سب ڈسکورسوں کے تاریخی اتحاد سے Episteme کی تشکیل ہوتی ہے۔''(۱۲)

اپسٹیم ایسا قانونی، سیاسی اور فنی نظام ہے جس کی بنیاد میں ثقافتی عقائد اور عملی زندگی کے متفرق پیرائے شامل رہتے ہیں جن کی اساس تاریخی استدلال پر ہوتی ہے۔ اس پہلو کو ہم پہلے روایت کے حوالے سے واضح کر چکے ہیں۔ انسانی سماج کے متفرق معاملات انسانی دانش کی کڑی سے ارتقاء پذیر ہوتے ہیں۔ عقل و خرد کی یہ روایت مقامیت کے ثقافتی، عقائد اور سیاسی سماجی ڈسکورس سے مستفید ہوتی ہے۔ جس کے پس منظر میں اپسٹیم یعنی مخصوص علمی تناظر، ایک نامیاتی مرکب کی طرح موجود رہتا ہے۔ جس کی فعالیت سے معاشرہ انفراد اور اجتماع کی سطح پر ارتقا پذیر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر اپنے مضمون میں فوکو کے علمیاتی تفکر کا تعین ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''میشل فوکو (Michel Foucault) انسانی فکر اور علم کا مفکر، مورخ اور نقاد ہے۔ اس نے انسانی فکر کو ایک ثقافتی تشکیل قرار دیا ہے۔ یعنی جسے نہ فرد نے، نہ فطرت نے بلکہ ہیت اجتماعیہ نے مخصوص سماجی اور 'من مانے' طریقوں سے جنم دیا ہے۔ چوں کہ یہ ایک ثقافتی تشکیل ہے اور زمان و مکان کے ساتھ بدل جاتی ہے، اس کا تاریخی تجزیہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ انسانی علم تجربے اور فکری

تشکیل کا تصور بیسویں صدی کی اجتماعی روہے جسے عمرانیات میں درکھیم(Emile Durkheim) نفسیات میں فرائیڈ (S.Freud) اور ژنگ (C.G.Jung) لسانیات میں سوسئیر (F.d Saussure) بشریات میں لیوی اسٹرس (Levi Strauss) اور تمام ساختیاتی اور پسِ ساختیاتی مفکرین نے کم یا زیادہ مقبول کیا ہے۔ مثل فوکو کے ہاں ہر چند متعدد عناصر ساختیات و پسِ ساختیات کے موجود ہیں، مگر وہ اپنے نام کے ساتھ یہ القابات پسند نہیں کرتا تھا۔ تاہم وہ بجا طور پر ساختیاتی مفکر ہے اور پسِ ساختیاتی مفکرین مین اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ دریدا (J.Derrida) فوکو نے سماجی اور ثقافتی عوامل کے تجزیے میں ساختیاتی لسانیات کے اصولوں اور طریق کار کو نہیں برتا۔ یعنی وہ سماجی تشکیلات کو ایک متن کے طور پر نہیں پڑھتا۔"(۱۳)

ساختیاتی لسانیات نے جدیدیت کے مختلف علاقوں میں چہل قدمی کرتے ہوئے، متن کو سماجی تشکیل قرار دیا ہے۔ اس کے لیے ساسئیر کے نظریات پر مباحث ہر ذی علم کی نگاہ سے گزرے ہیں۔ اس کے مطابق الفاظ بذات خود لایعنی ساختیں ہیں مگر فوکو اس امر کو جوں کا توں قبول کرنے کی بجائے، مرکز نما قوتِ فیصلہ کی پہلے نشاندہی اور پھر اس کے طے شدہ نتائج کی تقلید سے گریز اختیار کرنے کا اشارہ کرتا ہے۔ فوکو کے مطابق انسانی فکر متغیر ثقافت کے تنظیمی ڈھانچے میں اجتماعی فعالیت کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے۔ جس کے پس منظر میں ثقافت بنیاد من مانے طریقے کار فرما ہوتے ہیں۔ جن کا تجزیہ زمان اور مکان کے بدلاو کے ساتھ نئے طریقوں پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ مفروضہ رولاں بارت کے مصنف کی موت کے دعوی کو رد کرتا ہے۔ کیونکہ فوکو کے نزدیک تخلیق کار الفاظ اور خیال کی خاص ترکیب سے کسی بھی متن کو تخلیق کرتا ہے جو اپنی مجموعی تنظیم میں ناقد کے سامنے آن موجود ہوتے ہیں۔ جس سے حاصل شدہ معنی منظّم سماجی تفاعل کے پیش کار ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ تخلیق کار کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ایک خاص تہذیبی، ثقافتی، سماجی، انفرادی یا اجتماعی اکائی سے یا ان اکائیوں کے اتحاد سے منظّم ثقافتی ضابطہ قائم کرتا ہے۔ جو اپنے آپ میں معنی و مفہوم کے ایک مرکز کا حامل بھی ہوتا ہے۔ یہ نکتہ ایک طرف مشرقی معاشروں میں مذاہب اور خدا کے تصورات کو روائتی تناظر میں دیکھنے کی راہ فراہم کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف ادبی سماجیات کے ناقدین کی جانب سے پیش کردہ ادب اور معاشرے کے باہمی تعاملات کی تائید کرتے ہیں۔ معاصر زمان میں کہ جب سرمایہ داری ہر طرح کی مثالیت کے تصور کو رد کر کے "سرمایہ" بطور تہذیبی اور اساطیری مثالیت کے طور پر رائج کرنے پر اصرار کرتی ہے تو فوکو کے نظریات سرمایہ کی مرکزیت کو چیلنج کرنے کے علاوہ اس کے متبادل کی سہولت بھی فراہم کرتے ہیں۔ سرمایہ پرستی کی بنیاد مارکس کے معاشی، سماجی نظام میں توازن و ترتیب کے تصورات کی تردید پر استوار ہے۔ یوں مثل فوکو روایت اور درایت کے نئے ضابطوں کی تشکیل میں کلاسیکیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے ادغام سے فکر انسانی کو ایک نئے آسمان سے متعارف کراتا ہے۔ جس میں طے شدہ نتائج کی اندھی تقلید سے انکار اور چوطرفہ تعاملات کے شعور سے اشیاء و مظاہر کی تفہیم کی تربیت موجود ہے۔ جو متفرق اذہان کو مرکز پرست نتائج کی من مانی پیروی کے برعکس غور وخوض اور نئے امکانات سے روشناس ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ یہی ترغیب اکیسویں صدی میں سائنس، مشین، مشینی ذرائع ابلاغ کی طاقت کے بارے میں تیسری دنیا کے لیے غور و فکر کا مرکز ہونا چاہیں وگرنہ تیسری دنیا کا انسان بیدا کار اور

سرمایہ دار کے مفادات کے تحفظ میں اپنے وجود سے محروم ہو جائے گا۔ یہ موجود عالمی دہشت جو اپنی نرم حالت میں مغرب جبکہ سخت اور کھردری حالت میں اسلامی گروہوں نے پھیلا رکھی ہے۔ دراصل انسان سے اس کی انسانیت سے محروم کرنے کا مکمل ضابطہ ہے۔ جس کا مقابلہ تیسری دنیا کے افراد کی شعوری ترقی اور پروپیگنڈہ کو سمجھنے کی قوت پیدا کرنے سے مشروط ہے۔

حوالہ جات

1. Michel Foucault Books: *https//:g.co/kgs/u48uWA*

۲۔ صلیبی جنگ، از: صباح الدین، سید عبدالرحمٰن، ص ۱۹۸، بحوالہ: اسلام اور بدلتی دنیا، از: ضیاالحسن فاروقی، ۱۹۸۴ء، (اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ۱۹۵۹ء)، جلد ۱۲

۳۔ عمران شاہد بھنڈر، فلسفہ اور سامراجی دھشت، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۰ء)، ص ۶۷

4. Hegel, George Wilhelm Friedrich, *The Phenomenology of Spirit*, (England: Cambridge University Press, 2018)

۵۔ اے ایچ ساحر لدھیانوی، کارل مارکس اور ھندوستان، (لاہور: پریت نگر شاپ، س ن)

۶۔ سالک الہاشمی، سرمایہ داری، (الہ آباد: الہ آباد پبلشنگ ہاؤس ۱۹۴۷ء)، ص ۱۸

7. https//:en.wikipedia.org/wiki/Michel_Foucault.12pm.19apr2022

۸۔ علمدار حسین بخاری، جدید ادب کا سیاق، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء)، ص ۲۱۰

۹۔ گوپی چند نارنگ، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء)، ص ۷۵

۱۰۔ ناصر عباس نیئر، جدید اور مابعد جدید تنقید، (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۲۲

۱۱۔ اقبال آفاقی، مابعد جدیدیت، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۶ء)، ص ۵۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۵

۱۳۔ ناصر عباس نیئر، جدید اور مابعد جدید تنقید، (کراچی: انجمن ترقی اردو ۲۰۱۳ء)، ص ۲۲۱